شبیر احمد خان غوری

علمِ کلام کا آغاز و ارتقاء

(۵)

عہدِ آخر ———— ہندوستان

دولتِ خلجیہ

۶۸۸ھ میں بلبن کا پوتا کیقباد اپنی عیش کوشی اور غفلت کا شکار رہوا۔ اُس کے ساتھ دولتِ ملوکیہ بھی ختم ہو گئی اور جلال الدین خلجی نے دولتِ خلجیہ کی بنیاد ڈالی۔ جلال الدین فیروز شاہ ۶۹۵ھ میں اپنے بھتیجے علاء الدین کے ہاتھوں قتل ہوا۔ علاء الدین بڑا حوصلہ مند فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس نے تقریباً پورا برِعظیم اپنے زیرِ نگیں کر لیا مگر آخر کار ۷۱۶ھ میں وہ بھی فرشتۂ اجل سے مغلوب ہوا۔ اُس کے بعد کچھ دن اس کا بیٹا شہاب الدین اور پھر قطب الدین مبارک شاہ تختِ دہلی پر بیٹھے۔ قطب الدین ۷۲۰ھ میں اپنے محسن کش غلام خسرو کے ہاتھوں شہید ہوا مگر امراء نے اس نمک حرام کو بھی زندہ نہ چھوڑا اس طرح خلجی خاندان کے خاتمہ پر تغلق خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا۔

علوم و فنون کی نشر و اشاعت اور علماء و فضلاء کی سرپرستی مسلمانوں میں ہمیشہ لوازم سلطنت میں سے سمجھی گئی ہے۔ خلجی فرماں رواؤں نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا چنانچہ نظام ہروی نے جلال الدین خلجی کی علم دوستی کے تذکرے میں لکھا ہے:

"علماء و مشائخ و سران طوائف نواز تہما یافتند[۱]"

بادشاہ کے ندماء میں شعراء کے علاوہ ملک سعد الدین منطقی کا بھی نام ملتا ہے جس سے اس کے ذوقِ علمی کا پتہ چلتا ہے[۲]۔ جلال الدین کے قتل کے بعد کم و بیش چھیالیس مشاہیر اہلِ علم ہندوستان میں موجود تھے: قاضی فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین سرمانی، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم، قاضی ضیاء الدین بیانوی، مولانا ظہیر لنگ، مولانا رکن الدین سنامی مولانا تاج الدین کلاہی، مولانا ظہیر الدین بھکری، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا کمال الدین کولوی، مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا منہاج الدین قبائی، مولانا نظام الدین کلاہی، مولانا نصیر الدین کڑوی، مولانا نصیر الدین صابونی، مولانا علاء الدین تاجر، مولانا کریم الدین جوہر، مولانا محب ملتانی، مولانا حمید الدین مخلص، مولانا برہان الدین بھکری، مولانا

---

[۱] طبقاتِ اکبری ص۵۵ [۲] ایضاً ص۶۱

افتخار الدین برنی، مولانا حسام الدین سرخ، مولانا وجیہہ الدین طہود، مولانا علاء الدین کرک، مولانا حسام الدین ساوی، مولانا حمید الدین ملتانی، مولانا شہاب الدین، مولانا فخر الدین ہانسوی، مولانا فخر الدین شقاقل، قاضی زین الدین ناقلہ، مولانا سترکھی، مولانا وجیہہ الدین راضی، مولانا علاء الدین صدر شریعت، مولانا میراں ماریکلہ، مولانا نجیب الدین، مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین، مولانا علاء الدین لاہوری، قاضی شمس الدین گاذرونی، مولانا شمس الدین یحییٰ، مولانا ناصر الدین اٹاوی، مولانا معین الدین لولی، مولانا افتخار الدین رازی، مولانا معز الدین، اور مولانا نجم الدین ایشار[1]۔

جلال الدین کے بعد علاء الدین تخت نشین ہوا اس نے ۶۹۶ھ میں وفات پائی۔ اس کے زمانہ میں مذکورہ بالا مشاہیر کے علاوہ اور بھی علماء تھے۔ مثلاً قرأت میں مولانا علاء الدین مقری، خواجہ زکی، مولانا انباطی۔ وعظ و تذکیر میں مولانا عماد حسام درویش، مولانا ضیاء الدین سنامی، مولانا شہاب الدین خلیلی، مولانا کریم وغیرہ۔ علمائے مدرسین میں مولانا علم الدین[2] (نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی)، مولانا حجۃ الدین ملتانی، مولانا صدر الدین گندھک، مولانا صلاح الدین سترکھی، قوام الدین محمود بن محمد دہلوی اور اطبائے مسیحا نفس میں اعز الدین بدایونی، حکیم صدر الدین، حکیم علم الدین شیرازی، اور حکیم بدر الدین دمشقی[3]۔

یہ علمائے نامدار نوادر روزگار میں سے تھے اور بقول نظام الدین ہروی: "جامع علوم بودند۔ بدرس و افادہ اشتغال داشتند"۔ اس لیے یقینی امر ہے کہ یہ ارباب فضل و کمال علم کلام میں بھی دستگاہ عالی رکھتے ہوں گے بالخصوص وہ علماء جو فقہ و اصول میں تبحر رکھتے تھے۔ لیکن جن فضلاء کے متعلق مورخین نے علم کلام میں تخصص کی صراحت کی ہے یہ ہیں۔

۱۔ مولانا افتخار الدین رازی: شہر رے کے رہنے والے تھے ہندوستان آکر شہر دہلی میں متوطن ہوگئے اور مدت عمر درس و تدریس میں بسر کردی۔ آپ کو خصوصیت سے فقہ و اصول اور علم کلام میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ نے شیخ عبد الکریم شروانی کی وفات کے بعد آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور مطولات آپ سے پڑھ کر فاتحۂ فراغ حاصل کیا۔

۲۔ شیخ محمد بن عبد الرحیم شافعی ارلوی: ہندوستان میں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی ۶۶۷ھ میں وطن سے نکل کر پہلے یمن گئے پھر مکہ معظمہ اور قاہرہ ہوتے ہوتے دمشق پہنچے جہاں ابن تیمیہؒ سے ان کا مشہور مناظرہ ہوا۔ امام ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جہت کے قائل تھے۔ ائمہ اشاعرہ و احناف کو اس سے انکار تھا بہر حال مناظرہ ہوا اور شیخ محمد ارلوی نے بطریق مالوف تقریر کرنا شروع کیا اور مسئلے کی تمام شقوق پر بطور دفع دخل مقدر اس طور سے روشنی ڈالی کہ اُن کے موقف کی صحت و ثاقت میں کوئی کلام نہیں رہا ادھر ابن تیمیہ یوں بھی مناظرے کے مردِ میدان نہیں تھے پھر شیخ ارلوی کی منطقی تقریر جلد جلد ایک بات سے دوسری بات کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اس پر شیخ ارلوی

---

[1] طبقات اکبری ص۱۲۰ [2] ایضاً ص۱۲۵ [3] ص۱۲۵

نے فرمایا ابن تیمیہ! تم تو ایسی چڑیا ہو کہ جب میں اسے پکڑنا چاہتا ہوں تو اُڑ کر کہیں اور پہنچ جاتی ہے۔

"ما أراک یا ابن تیمیہ کالعصفور حیث أردت أن أقبضہ من مکان فرّ إلی مکان آخر"۔

نتیجہ ظاہر تھا۔ تنکز امیر دمشق کو یقین ہو گیا کہ ابن تیمیہ کا موقف "جہت" کے باب میں خلافِ عقل و شرع ہے اور اس نے انہیں قید کر دیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ محمد بن عبد الرحیم نے ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔ صاحب تصانیف تھے۔ اُصول فقہ میں النہایہ، الفائق اور الرسالۃ السبعیہ مرتب فرمائے اور علم کلام میں "الزبدہ"۔ لیکن ابن حجر عسقلانی نے اس کا نام "الفائق" بتایا ہے۔ علم کلام میں ان کے تبحر کے بارے میں سبکی نے لکھا ہے:

"إنہ کان من أعلم الناس بمذہب أبی الحسن وأدراہم بأسرارہ متضلعاً بالأصلین۔۔۔۔ ومن تصانیفہ فی علم الکلام الزبدۃ وفی أصول الفقہ النہایۃ والفائق والرسالۃ السبعیۃ وکل مصنفاتہ حسنات جامعۃ لاسیما النہایۃ"۔

وہ امام اشعری کے مذہب کے سب سے زیادہ جاننے والوں میں سے تھے اور اس کے اسرار کو سب سے زیادہ سمجھنے والوں میں سے تھے اصول فقہ اور اصول الدین و علم کلام میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔۔۔۔ ان کی تصانیف میں علم کلام کے اندر "الزبدہ" اور اصول فقہ میں نہایہ، فائق اور رسالہ سبعیہ ہیں۔ ان کی جملہ تصانیف عمدہ اور جامع ہیں بالخصوص نہایہ۔

دولتِ تغلقیہ

دولتِ تغلقیہ کی بنیاد غیاث الدین تغلق نے ۷۲۰ھ میں ڈالی۔ ۷۲۴ھ میں اس کے انتقال پر اُس کا بیٹا محمد تغلق اس کا جانشین ہوا۔ وہ اپنی جامع اضداد سیرت کی وجہ سے تاریخ ہند کی مشہور شخصیتوں میں سے ہے۔ ایک جانب تاریخ و تراجم کے صفحات اس کے جود و سخا کے افسانوں سے معمور ہیں تو دوسری جانب اس کے قتل و تعذیب کی داستانیں ہیں جنہیں سُن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابن بطوطہ جس نے ان واقعات کو بچشم خود دیکھا تھا لکھتا ہے:

"وھذا الملک أحب الناس فی إسداء العطایا وإراقۃ الدماء فلا یخلو بابہ عن فقیر یغنی أو حی یقتل"۔

اور اس بادشاہ کو بخشش و فیاضی سے اور اسی طرح خونریزی سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت ہے پس اس کا دروازہ نہ کبھی ایسے فقیر سے خالی ملتا ہے جسے اپنی جود و سخا سے اس نے غنی و تونگر بنا دیا اور نہ ایسے زندہ سے جسے اس کے غضب نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس تلوّن مزاجی اور سفاکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امراء اس سے بددل ہو گئے۔ مقدر بھی اُس کے عزم راسخ کے باوجود غیر مساعد ہی رہا۔ بالخصوص اس کی زندگی کا آخری حصہ تو مختلف صوبوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کی ناکام کوشش ہی میں گزرا اور اسی ناکام کوشش میں اس نے ۷۵۲ھ میں وفات پائی۔ اُس کی جگہ اس کا چچا زاد بھائی فیروز تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اُس نے اس انتشار اور طوائف الملوکی کو روکنے کی کوشش کی مگر دلی کی عظیم الشان سلطنت کو گھن لگ چکا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت اُن فارق المرکز قوتوں کو مغلوب نہیں کر سکتی تھی جنہیں تقدیر نے اس ضعف و انحلال پر مامور کر دیا تھا۔ فیروز شاہ نے ۷۹۰ھ کے اندر پیرانہ سالی میں انتقال کیا حاکم کے ساتھ حکومت میں بھی پیرانہ سالی کے آثار ہویدا تھے۔ فیروز تغلق کے جانشین ناتجربہ کار اور نالائق نکلے۔

ملک میں طوائف الملوکی کا پہلے ہی سے دور دورا تھا۔ دور دراز صوبے فرمانروائے دہلی کی بالادستی سے پہلے ہی آزاد ہو چکے تھے کہ تیمور نے حملہ کیا اور انتشار و بدامنی میں جو کمی رہ گئی تھی اُسے پورا کر دیا۔ آخر ۸۱۶ھ میں نام نہاد تغلق خاندان ختم ہی ہو گیا۔

محمد تغلق خود عالم و علم دوست تھا مگر اُسے علوم حکمیہ و معقولات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ان فنون کی تکمیل اُس نے مولانا عضد الدین دہلوی سے کی تھی جو منطق و حکمت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ عقلیات کے ذوق مفرط کا نتیجہ تھا کہ اُس نے اکثر انہیں علماء کو اپنا ندیم بنایا جو فلسفہ کے ماہر تھے۔ ان کی مصاحبت کی وجہ سے اُس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ حق صرف تابع عقل ہے اور شریعت میں سے صرف وہی احکام قابلِ عمل ہیں جو موافق عقل ہوں۔ فرشتہ لکھتا ہے:

"در جمیع علوم معقول خصوص طب و حکمت و نجوم و ریاضی و منطق مہارتے تمام داشت و بیماراں را امدادی نمودے و در تشخیص مرض وغیرہ با اطبائے عصر بحثہائے طالب علمانہ کردے و التزامہا دادے و در ایام پادشاہی نیز اکثر اوقات خویش را صرف معقولات و فلاسفہ ساختے و با سعد منطقی و عبید شاعر و نجم الدین انتشار و مولانا علم الدین شیرازی و دیگر علمائے حکیم طبیعت مجالست نمودہ حرف کتب متقدمین درمیان آوردے۔ و ایں عبید عنید شاعر مشہور است نہایتش ایں عبید ہنراں و شاعر بیباک زاکانی بودہ و سلطان با نقلیات چنداں صفائی نداشت و فقہاء و ارباب منقول را در مجلس او چنداں راہ نبود و از عقلیات آنچہ تطبیق آں با عقلیات متصور بود تصدیق کردے"[1]

چنانچہ شوکانی نے لکھا ہے کہ عجمی نے یاقوت حموی کا لکھا ہوا شفائے بوعلی سینا کا ایک نسخہ ہدیۃً اُس کے پاس بھیجا۔ محمد تغلق نے اس کے صلے میں اُسے انعام عظیم بھیجا جس کا اندازہ دو لاکھ مثقال سے زیادہ ہے۔ اپنے استاد مولانا عضد الدین کو ایک ایک دن میں چالیس لاکھ تنگہ بخش دیتا تھا۔ ہاں جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے اُس کے یہاں علمائے دین کی کوئی قدر نہ تھی بلکہ حسب تصریح ابن بطوطہ بہت سے علماء کو محض امر بالمعروف کی خاطر اُس کی سرکار سے جامِ شہادت پینا پڑا۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین زاہدی اور مولانا عماد الدین غوری کو صرف اس بنا پر کہ انہوں نے اُس کے "ختم نبوۃ" میں قدح پر اُسے سختی سے منع و زجر فرمایا تھا انتہائی الم و تکلیف کے ساتھ شہید کیا گیا۔

با ایں ہمہ ظلم و تشدد اس کے عہد میں علماء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے جن میں سے بعض مشاہیر حسب ذیل ہیں:
عضد الدین دہلوی، سعد الدین منطقی، علم الدین تبریزی، احمد بن شہاب دہلوی، جمال الدین مغربی، ضیاء الدین نخشبی، معین الدین عمرانی، ناصر الدین خوارزمی، معین الدین باخرزی، محمد بن شمس نعمانی، شمس الدین دامغانی، محمد بن برہان ہانسوی، کمال الدین سامانوی، کریم الدین سمرقندی، فصیح الدین ہروی، فخر الدین زرادی، عماد الدین غوری، عفیف الدین کاشانی، عثمان بن داؤد ملتانی، فخر الدین عثمان بلبیاری، عز الدین زبیری، وجیہہ الدین بیانوی، قاضی خاصہ، شمس الدین حیدر یروی، عبد الدین دہلوی، عبد العزیز اردبیلی، ضیاء الدین سمنانی، بدر الدین معبدی، جمال الدین مغربی، دانیال بن حسن سنرکھی، قاضی رکن الدین

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۴۳

کاشانی، شہاب الدین زاہدی، صدرالدین بھکری وغیرہم۔

محمد تغلق کے بعد فیروز تغلق تخت نشین ہوا وہ اپنے پیشرو کی طرح خود تو عالم نہ تھا مگر ایک بیدار مغز مدبّر کی حیثیت سے اس بات سے بھی بے خبر نہ تھا کہ علم و ادب کی سرپرستی لوازم سلطنت میں سے ہے۔ اُس نے جو رفاہِ عام کے کام کئے تھے اُن میں مدارس کی بھی تعمیر ہے جن کی تعداد حسب تصریح نظام الدین ہروی تیس تھی اور جن کے مصارف کے لیے اُس نے بڑے بڑے وقف کئے تھے

"و آنچہ از بناء عمارات و بقاع خیر او یافتہ شد باین شرح است ..... مدرسہ ۳۰ عدد ..... و بر ہر یک از عمارات وقف نامہا نوشتہ و موقوفات بران تعین ساختہ و اہل خدمت مجمع مساجد و مدارس و خوانق دعام و جاہ معین ساختہ وظیفہ قرار دادہ و تفصیل اینہا دور و دراز است[۱]"

ان میں سے جو مدرسہ اُس نے دہلی کے اندر بنایا تھا اُس کی کیفیت ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں قلمبند کی ہے۔ یہ درسگاہ حوض علائی پر واقع تھی۔ بڑے بڑے ستون کثیر التعداد قبہ۔ اس جیسا مدرسہ نہ اس سے پہلے دہلی میں تعمیر ہوا اور نہ بعد میں۔ فیروز تغلق نے اس مدرسہ کے اندر مولانا جلال الدین رومی کو جو قطب الدین رازی شارح شمسیہ کے شاگرد تھے تدریس پر مقرر کیا۔

مولانا جلال الدین رومی کے علاوہ فیروز تغلق کے عہد کے علماء میں قاضی جلال الدین کرمانی، مولانا شمس الدین باخرزی، مولانا نجم الدین سمرقندی، شیخ یوسف چشتی اور شیخ یوسف بن جمال ملتانی زیادہ مشہور ہیں۔ امراء فیروز شاہی میں تاتار خاں اور اعز الدین خالد خانی اپنے علم اور علماء نوازی کے لیے تاریخ میں خاص طور سے مذکور ہیں۔ تاتار خاں خود عالم نحریر تھا۔ شمس الدین عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ وہ تفسیر تاتارخانی کا مصنف تھا جو تفسیری ادب میں اپنا مقام رکھتی ہے لیکن اُس کا بڑا کارنامہ فتاوائے تاتارخانیہ کی تدوین ہے جسے مولانا عالم بن علاء اندرپتی نے محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور ظہیریہ کی مدد سے ہدایہ کے ابواب کے نہج پر مدوّن کیا۔ فیروز تغلق کی خواہش تھی کہ حنفی فقہ کا یہ شاہکار اُس کے نام پر معنون کیا جائے مگر ازل سے یہ شرف تاتار خاں کے نصیب میں مقدر ہو چکا تھا اور ہر چند کہ مصنف نے اس کا نام "زاد السفر" رکھا تھا مگر کوئی اس کا نام نہیں لیتا فتاوائے تاتارخانیہ ہی کہتے ہیں۔ اعز الدین خالد خانی نے حکمت طبیعی و نجوم وغیرہ میں ایک کتاب دلائل فیروز شاہی کے نام سے تصنیف کی۔ اس کی تفصیل فرشتہ نے نگرکوٹ کی فتح کے بعد بدیں طور لکھی ہے:

"نگرکوٹ را بنام سلطان محمد تغلق شاہ مرحوم محمد آباد موسوم گردانید ..... و یک ہزار و سی صد کتاب از براہم در ہیں بت خانہ است کہ بجوالا مکھی اشتہار دارد و بدیا دشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمود ازاں جملہ اعز الدین خالد خانی کہ از شعراء آں عصر بود کتابے در حکمت طبیعی و شگون و تفاؤلات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ است و الحق آں کتابے است متعلق اقسام حکمت علمی و عملی[۲]"

---

[۱] طبقات اکبری صفحہ ۱۲۱ [۲] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۴۷

اسی طرح نگرکوٹ کے ذخیرہ میں اُپل بھٹ کی کتاب باراھی سنگھتا تھی جس کا فارسی ترجمہ فیروز تغلق کے حکم سے مولانا عبدالعزیز دہلوی نے کیا۔

فیروز تغلق کے عہد کے علماء کا تذکرہ قاضی عبدالمقتدر الکندی (المتوفی ۷۹۱ھ) کے بغیر غیر مکمل رہے گا۔ انہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی اور شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی سے کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ قاضی عبدالمقتدر سے قاضی شہاب الدین دولت آبادی اور ان کے پوتے ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر نے خصوصیت سے کسبِ فیض کیا۔ اس طرح قاضی عبدالمقتدر ۸۰۰ھ سے پہلے کے اور بعد کے علماء کے درمیان واسطہ ہیں۔

فیروز تغلق نے ۷۹۰ھ میں وفات پائی۔ اُس کے بعد ہی تغلق خاندان کا شیرازہ بکھر گیا اور اگرچہ اُس کے جانشین ۸۱۷ھ تک دہلی کے حکمراں کہلاتے رہے مگر اب اس خاندان کے دن پورے ہو چکے تھے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

محمد تغلق کی عقلیت پرستی کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ نظام الدین ہروی نے اُس کے بارے میں لکھا ہے:

"بعلوم حکمت و معقولات رغبت نمودے و سعد منطقی و عبید شاعر و مولانا علم الدین کہ از علمائے فلسفہ بودند و بظاہر شریعت کارے نمی داشتند در صحبت او بودند و از کثرت مصاحبتِ ایشاں و ممارست عقل ایشاں در خاطر او متمکن گشتہ بود کہ حق منحصر در عقلیات است و از نقلیات آنچہ موافق عقل بودے قبول نمودے و نقلیات صرف را قبول نداشتے"[1]

اس اعتماد علی العقل کا فطری نتیجہ یہی تھا کہ اس کے عہد میں علوم حکمیہ کو خصوصیت سے فروغ حاصل ہوا اور علوم دینیہ میں سے علم کلام کو خاص ترقی حاصل ہوئی چنانچہ وہ علمائے متکلمین کی صحبت کا دل وجان سے متمنی رہتا تھا۔ اسی لیے اس نے قاضی عضدالدین ایجی کو شیراز سے لانے کے لیے مولانا معین الدین عمرانی کو بھیجا مگر بادشاہ شیراز سلطان ابو اسحاق نے علم وفضل کے اس جوہر بے بہا کو ہندوستان نہ آنے دیا اور انعام واحسان کی بیڑیاں ان کے پاؤں میں ڈال دیں۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"وارسل السلطان محمد بن تغلق شاہ والی الهند المتوفی سنة ثنتين وخمسين وسبعمائة الی القاضی عضد الدين الايجی بشيراز واتحف اليه هدايا غير محصورة والتمس بالهند قدومه واستسقی لهذه الارض عمومه فامسكه السلطان ابو اسحق ودجم تقييده بسلسلة الاحسان علی الاطلاق"[2]

سلطان محمد بن تغلق (المتوفی ۷۵۲ھ) نے مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز قاضی عضدالدین ایجی کے پاس بے شمار تحف و ہدایا کے ساتھ بھیجا اور اُن سے ہندوستان آنے اور اس سرزمین کو اپنے ابر فیض سے سیراب کرنے کی درخواست کی۔ مگر سلطان ابواسحٰق نے انہیں روک لیا اور احسان کی زنجیروں میں انہیں قید کرلیا۔

اسی زمانہ میں قاضی عضدالدین ایجی نے "المواقف" لکھی جو علم کلام کا لافانی شاہکار ہے اور جس کے لیے خواجہ حافظ نے

۱۔ طبقاتِ اکبری صفحہ ۱۰۰ ۲۔ سبحۃ المرجان صفحہ

لکھا ہے:

دگر شہنشہ دانش عضد کہ در بینش بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد

دُنیا کے امراء و ملوک متمنی تھے کہ علمِ کلام کا یہ درخشندہ جوہر اُن کے نام سے معنون ہو چنانچہ خود قاضی عضد نے المواقف کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"بکراً من ابکار الجنان لم یمسسھا من قبل انس ولا جان وکنت برھۃ من الزمان اجیل رای وارد قداحی ما اامر نفسی واشاور ذوی النھی من اصد قائی مم تحد دخاطبیھا وکثرۃ الراغبین فیھا"[1]

کتاب "المواقف" دوشیزگانِ جنت میں سے ایک دوشیزہ ہے جسے اس سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا، نہ جن نے۔ اور میں ایک عرصے تک اسی فکر میں سرگرداں رہا۔ خود سوچتا تھا اور اپنے دوستوں سے مشورہ کرتا کہ اسے کس کے نام معنون کر دوں، حالانکہ اس کے طلب گار اور خواہش مند بکثرت تھے۔

ان طلب گاروں "خاطبیھا" کی شرح میں میر سید شریف فرماتے ہیں:

"ومن جملۃ خاطبیھا سلطان الھند محمد شاہ جونہ"[2]

اور اُن لوگوں میں سے جو المواقف کو اپنے نام پر معنون کرانے کے خواہشمند تھے بادشاہ ہندوستان محمد شاہ جونا بھی تھا۔

"الناس علی دین ملوکھم" حکمراں کے مذاق کا اثر اہل ملک پر بھی پڑا اور اس عہد میں علم کلام کو خاصی ترقی ہوئی۔ یوں تو اس عہد کا ہر فاضل جامع کمالات تھا لیکن ذیل میں صرف اُنہیں علماء کے نام ثبت کئے جا رہے ہیں جن کے لیے تاریخ نے صراحت کی ہے کہ وہ علم کلام میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔

۱۔ مولانا معین الدین عمرانی۔ سرآمد فضلائے روزگار تھے۔ اُس زمانہ میں شاید ہی کوئی عالم ہو جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا ہو۔ آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے:

"ھو المدار علیہ ملا افاضل والمشار الیہ بالا نامل و قیم التدریس فی دھلی المحروسۃ والمنوط بہ مھمات المعقولۃ والمحسوسۃ"[3]

آپ افاضل عہد کے مدار علیہ تھے اور آپ کی جلالت قدر کی بنا پر لوگ علم و فضل کے باب میں آپ کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ شہر دہلی میں تعلیم و تدریس کے منتظم تھے۔ اور علوم معقولات و محسوسات کے اُمور آپ ہی سے متعلق تھے

ساری عمر درس و تدریس میں گزاری۔ قاضی عضد کے ہم عصر تھے اور غالباً دونوں میں خوش گوار تعلقات بھی تھے۔ جب شیراز قاضی عضد کو لینے گئے تو وہاں اپنے علم و فضل کا سکہ جما آئے۔ بلگرامی نے لکھا ہے:

"مولانا معین الدین عمرانی وقتے کہ بخطۂ شیراز وارد شد در آنجا آثار فضل و دانش از و بظہور رسید و بمزید اعزاز و اکرام اختصاص یافت"[4]

---

۱ شرح المواقف جلد اول صفحہ ۳۰ ۲ ایضاً صفحہ ۳۰ ۲ ۴ مآثر الکرام صفحہ ۱۸۵

صاحبِ تصانیف تھے۔ کنز الدقائق، حسامی اور مفتاح العلوم پر حواشی و تعلیقات تحریر فرمائے۔ منطق و کلام، فقہ و اصول اور معانی و بیان میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

۲۔ مولانا کمال سنتوسی۔ صوبۂ بہار کے موضع سنتوس کے رہنے والے تھے اور وہیں عمر بھر درس و تدریس اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے مکاتبت رہتی تھی۔ سلطان محمد تغلق کی عقلیت پرستی نے (جو سعد منطقی وغیرہ کی مصاحبت سے زیادہ جوگیوں اور جین علماء کی مجالست کا نتیجہ تھا جیسا کہ عصامی نے فتوح السلاطین میں شکایت کی ہے) اس طرح کا ماحول پیدا کر دیا تھا جس میں "حق صرف عقلیات میں منحصر ہو کر رہ گیا تھا۔ بالفاظ دیگر" عقل معرفت باری میں کافی ہے"۔ اس مسئلے پر مولانا کمال سنتوسی اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ سے مکاتبت ہوتی تھی۔ اور شیخ نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی تھی کہ "آیا عقل معرفتِ باری میں کافی ہے یا نہیں"۔ مولانا کمال سنتوسی کو فقہ و اصول کے علاوہ علم کلام میں بھی مہارت حاصل تھی۔

۳۔ مولانا فخر الدین زرادی۔ سامانہ کے رہنے والے تھے۔ اوائل جوانی میں دہلی تشریف لائے اور مولانا فخر الدین ہانسویؒ سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ آپ کے شاگردوں میں شیخ سراج الدین عثمان اودھی، مولانا رکن الدین، مولانا صدر الدین اندرپتی، محمد بن مبارک کرمانی، حسین بن محمود خاص طور سے مشہور ہیں۔ صاحب تصانیف تھے۔ مختلف علوم میں متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں۔ علم کلام میں ایک کتاب بنام "الخمین" تصنیف فرمائی جس میں اُن مسائل کلامیہ کی توضیح و تشریح ہے جو طلبہ کو مشکل معلوم ہوتے ہیں۔

۴۔ شیخ ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق الغزنوی الہندی۔ غزنوی الاصل تھے مگر ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ دہلی اور بدایوں کے مشاہیر علماء مثلاً امام زاہد وجیہ الدین دہلوی، شمس الدین خطیب الدولی، سراج الدین ثقفی دہلوی اور رکن الدین بدایونی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ یہ چاروں استاد ابو القاسم تنوخی کے شاگرد تھے جو شاگرد تھے حمید الدین الضریر کے اور وہ شاگرد تھے امام کردری شاگرد صاحب ہدایہ کے۔ امام ابو حفص اپنے عہد کے عالم فاضل اور عدیم النظیر مناظر تھے اور فقہ و کلام میں امام تھے۔ الجواہر المضیۃ میں ہے:

"عمر بن ابی بکر بن محمد الغزنوی ابو حفص القاضی القضاۃ کان اماماً فی علم الکلام والفقہ رحمہ اللہ تعالیٰ"

عمر بن ابی بکر بن محمد غزنوی۔ ابو حفص، قاضی القضاۃ تھے۔ اور علم کلام اور فقہ میں مقتدا سمجھے جاتے تھے۔

ہدایہ کی شرح مسمّٰی بالتوضیح کے علاوہ الشامل فی الفقہ، زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمۃ الاعلام، شرح بدیع الاصول، شرح المغنی،

۱؎ الفوائد البہیہ صفحہ

الفرۃ المنیفۃ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ، شرح الزیادات، شرح جامع صغیر، شرح جامع کبیر وغیرہ ان کی تصانیف سے یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ علم کلام میں "عقیدہ طحاوی" کی شرح لکھی ہے۔ الفوائد البہیہ میں ہے:

"وذکر القاری من تصانیفہ شرح المنار وشرح المختار ولوائح الانوار فی الرد علی من انکر علی العارفین لطائف الاسرار وعدۃ الناسک فی المناسک وشرح عقیدۃ الطحاوی واللوامع فی شرح جمع الجوامع"

۵۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ۔ آپ کا سال ولادت سنہ ۶۶۱ھ اور سال وفات سنہ ۷۸۲ھ ہے۔ متعدد رسائل تصوف اور اصلاحِ اخلاق میں آپ نے یادگار چھوڑے۔ کلامی تصانیف میں ایک رسالہ "العقائد الشرفیہ" ہے۔ غالباً سندھی زبان کے منظوم "عقائد اسلام" (تعلیماتِ اسلام) کے بعد جو سنہ ۷۲ھ میں تصنیف ہوا تھا؛ شیخ شرف الدین خیریؒ کا "العقائد الشرفیہ" عقائد اسلامیہ کا پہلا رسالہ ہے جس کا تذکرہ تاریخ نے ہمارے لیے محفوظ رکھا ہے۔ مگر یہ رسالہ اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

شیخ منیریؒ کی تصانیف میں مکتوباتِ گرامی کا مجموعہ بھی ہے جس میں تقریباً ۳۲۸ مکاتیب تھے۔ شاید مطبوعہ نسخہ (جس میں سو مکاتیب ہیں) اُس کا ایک منتخب ہے۔ یہ مکاتیب شیخ نے مختلف معتقدین کو اصلاح فکر و عمل کے لیے لکھے تھے ان میں سے متعدد مکاتیب کلامی مسائل کی توضیح و تشریح پر ہیں مثلاً مکتوب ہشتم در ولی، مکتوب نہم در ولایت، مکتوب دہم در کرامات اولیا، مکتوب بستم در فضل انبیاء بر اولیا، مکتوب بست و یکم در زلات انبیاء، مکتوب نود و ہشتم در وعد و وعید۔

شیخ شرف الدین منیریؒ قاضی عضد کے ہم عصر تھے۔ قاضی عضد کا پایہ علم کلام میں بہت بلند ہے اور غالباً اسی وجہ سے بعض علماء نے انہیں قرن ہشتم کا مجدد تک مانا ہے۔ مگر شیخ نے اپنے مکاتیب میں مسائل کلامیہ کو جس خوش اسلوبی سے سلجھایا ہے وہ اپنی نوعیت میں فرد فرید ہے۔ دونوں بزرگوں کا مقابلہ تو سوء ادب ہے ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ ہاں اتنا ہے کہ قاضی عضد کے یہاں جزالت ہے اور شیخ کے یہاں رشد و ہدایت۔ انداز بیان بہت کچھ کشف المحجوب سے ملتا جلتا ہے۔ مثلاً کرامات اولیاء کے باب میں فرماتے ہیں:

"بدانکہ فقہائے اُمت را از اہل سنت و جماعت و اہل معرفت اجماع است کہ کرامات اولیاء جائز است ہر چند اندر معجزات رسد و نزدیک معتزلہ جائز نیست مگر در چیزے کہ عموم باشد میان عاصی و مطیع"[1]

آگے چل کر معجزہ اور کرامت کی تفریق میں فرماتے ہیں:

بدانکہ در معجزہ اظہار شرط است و در کرامت کتمان شرط است و دیگر کہ انبیاء بدانند کہ این معجزہ است و پیش از آمدن خبر دہند از معجزات

---

[1] مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری صفحہ ۳۰

اما اولیاء از کرامات خبر ندانند و پیش از آمدن کرامات خبر ندہند و ایں بداں اصل است کہ ولی را محل ولایت ثابت نگردد تا خویشتن را کمترین خلق نداند[1]

یا مثلاً وعدو وعید کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"مر اہل سنت وجماعت را اجماع است کہ وعید مطلق مر کافراں راست و وعدۂ مطلق مر نیکو کاراں راست۔ باز مومن کہ وے عاصی باشد کافر نبود تا در تحت وعید مطلق در آید و نیز محسن مطلق نیست تا وعدۂ مطلق وے را دریابد[2]"

ایک اہم مسئلہ اس زمانہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی فضیلت کا تھا۔ صوفیاء میں وہ حضرات جو ابن العربی اور ان کے متبعین کے حلقۂ اثر میں تھے

مقام نبوة فی البرزخ ٭ فویق الرسول ودون النبی

کے قائل تھے۔ شیخ شرف الدین وقت کے صوفی کامل تھے مگر اُن کا دامن اس قسم کی بدعتوں سے پاک تھا۔ مکتوب بستم در فضل انبیاء بر اولیاء میں فرماتے ہیں:

"اندر ہمہ اوقات و احوال باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین اولیاء متابعان پیغمبر اند و انبیاء فاضل تر اند از اولیاء از آنچہ نہایت ولایت است ہدایت نبوة است و جملہ انبیاء ولی باشند اما کسے از اولیا نبی نباشد۔ و ہیچ کس را از علماء اہل سنت وجماعت و محققان ایں طریقت اندریں مسئلہ خلافے نیست مگر گروہے از ملحداں کہ گویند اولیاء فاضل تر از انبیاء اند[3]"

اس سے اہم مسئلہ توحید باری کی تعبیر کا تھا۔ وحدت الوجود کے قائلین نے حقیقت واجب تعالیٰ کو "وجود مطلق لا بشرط شیٔ" قرار دیا تھا۔ اس کے عجیب منطقی نتائج اخذ کیے گئے جنہیں دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اتحاد (اگر بندہ خالق بن جائے) اور حلول (اگر خالق مخلوق میں در آئے) اور یہ دونوں چیزیں اسلام کی صریح تعلیم کے خلاف ہیں۔ ایک تیسری تعبیر بھی کی جاتی تھی کہ وجود صرف سبحانہٗ تعالیٰ کا ہے، غیر اللہ عدم محض ہے۔ بظاہر یہ تعبیر دل کو لگنے والی معلوم ہوتی ہے مگر عملی طور پر عنادیت و اعدامیت کے مترادف ہے اور ابطال شریعت اور اباحیت کی موجب ہے۔ شیخ شرف الدین منیریؒ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس اہم مسئلہ کو توحید کے مدارج اربعہ متعین کرکے حل فرمایا ہے:

"درجہ چہارم آں است کہ چنداں نور باطن ظہور حق بر روندہ آشکارا شود کہ ہمہ ذرات وجود پیش دیدہ وے در اشراق آں نور متواری شوند بر مثل متواری شدن ذرہ ہائے ہوا در اشراق نور آفتاب۔ و ذرہ در نور آفتاب نتواں دید نہ از انکہ آں ذرہ نیست شدہ است بلکہ از انکہ باظہور نور آفتاب ذرہ را جز متواری شدن روئے نیست۔ ہم چنیں نہ آنکہ بندہ خدا گردد تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا و نہ آنکہ بندہ بحقیقت

---

[1] مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ صفحہ ۳۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۵ [3] ایضاً صفحہ ۵۵ [4] ایضاً صفحہ ۶۰

نیست شود۔ نابودن دیگراست ونادیدن دیگر ۱؎"

آگے چل کر فرماتے ہیں :

"توچوں در آئینہ نگری آئینہ را نہ بینی زیراکہ مستغرق جمال خودی دنتواں گفت آئینہ نیست شد ویا آئینہ جمال شد یا جمال آئینہ شد ۲؎"

پھر اتحاد وحلول کی موکد طریقے سے نفی کرتے ہیں :

"ودرمیان آئینہ وصورت نہ اتحاد بود نہ حلول ۳؎"

اس استدلال یا توضیح کی اگر منطقی تحلیل کی جائے تو اسے قیاس تمثیل (ANALOGY) کی مثال کہا جائے گا جسے اہل منطق تو مفید یقین مانتے ہی نہیں فقہا بھی صرف مخصوص حالات میں قطع ویقین کے لیے اس کے افادے کے قائل ہیں بایںہمہ شیخ کا یہ اسلوب بیان اور انداز توضیحی منطقی برہان سے زیادہ طمانیت بخش ہے۔ یہ منہاج متکلمانہ نہیں۔ یہ تو کلام سے بھی بڑھ کر ہے اور مکاتیب گرامی کو علم کلام کا عنوان دینا ان کی لطافت کا خون کرنا ہے۔ یوں کہنا چاہیئے ع

یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے

(باقی آیندہ)

۱؎ مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ صفحہ ۶۰ ۲؎ ایضاً صفحہ ۶۰ ۳؎ ایضاً صفحہ ۶۰

الدین یسر

(مصنفہ محمد جعفر شاہ پھلواروی)

دین کو ہماری تنگ نظری نے ایک مصیبت بنا دیا ہے ورنہ حضور اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دین آسان سی چیز ہے۔ اسی بحث پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں بہت سے مسائل ایسے بھی آتے ہیں جو اب تک الجھے ہوئے تھے۔ تمام آسانیاں خدا اور اس کے رسول حکیم کی طرف سے ہیں اور تمام تنگیاں مسلمانوں کی غلط انگاری نے پیدا کی ہیں۔

صفحات ۳۶۸ - قیمت ۶/۰ روپے

(ملنے کا پتہ)

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور